



I HAVE THE RIGHT
TO DESTROY MYSELF
YOUNG-HA KIM

زندگی سے نجات

یونگ ہا کم ترجمہ: مسعود اشر



زندگی سے نجات

یونگ ہاکم
ترجمہ: مسعود اشعر

مشعل

آر۔بی۔۵، سینئر فور، عوامی کمپلکس
عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔ 54600، پاکستان

زندگی سے نجات

لینگ ہاکم

ترجمہ: مسعود اشعر

کالی رائٹ اردو © 2012 مشعل بکس
کالی رائٹ انگریزی © 2011 دینگ ہاکم اور مہاک ڈونگن پبلیشنگ کمپنی، لمیٹر، کوریا۔

ناشر: مشعل بکس
آر۔ بی۔ ۵، سینٹ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور ۵4600، پاکستان

فون فیکس 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

<http://www.mashalbooks.org>

MashalBooks.org

فہرست

6	مرات کی موت
14	جوڈتھ
40	ایویان
64	میمی
91	بابل کے بادشاہ کی موت

MashaiBooks.org

پہلا حصہ

مرات کی موت

میں ژاک لوئی ڈیوڈ کی 1793 کی آئل پینٹنگ دیکھ رہا ہوں، ”مرات کی موت“، جو ایک آرٹ کی کتاب میں چھپی ہے۔ (فرانس کا) انہا پسند انقلابی ٹاؤن پال مرات غسل خانے میں مردہ پڑا ہے۔ اسے قتل کیا گیا ہے۔ اس کا سرتولیہ میں ایسے لپٹا ہوا ہے جیسے اس نے پیڑی باندھی ہوئی ہو۔ اور اس کا ہاتھ باخھ ٹب پر لٹکا ہوا ہے، اس ہاتھ میں قلم ہے۔ مرات مر چکا ہے، وہ خونم خون ہے، اور سفید اور سبز رنگوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس پینٹنگ سے سکون اور طمانیت ٹپک رہی ہے۔ جیسے ہم اس میں نوئے کی صدائیں سن رہے ہوں۔ قاتل چاقو کیوس کے نچلے حصے میں پڑا ہے۔ جیسے کوئی اسے دہاک پھینک گیا ہو۔

میں نے کئی بار اس پینٹنگ کی نقل بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس پینٹنگ کا سب سے مشکل اور پیچیدہ حصہ مرات کے چہرے کے تاثرات ہیں۔ وہ بالکل پر سکون اور گمیہ نظر آ رہا ہے۔ ڈیوڈ کی پینٹنگ میں مرات کے چہرے پر نہ تو کسی ایسے نوجوان انقلابی کی ادائی اور مایوسی نظر آتی ہے جو ناگہانی قاتلانہ حملے کی زد میں ہو، اور نہ اس انسان کا سکون قلب دھامی دیتا ہے جس نے زندگی کی کلفتوں سے نجات پالی ہو۔ مرات پر سکون ہے مگر دھمکی، نفرت سے بھرا ہوا ہے مگر سب کچھ جانتا بھی ہے۔ مردہ انسان کے تاثرات کے ذریعے ڈیوڈ نے ہمارے متضاد اور متناقض اندر وہی جذبات کی تصویر کشی کر دی ہے۔ پہلی بار ہم یہ پینٹنگ دیکھتے ہیں تو ہماری نظریں مرات کے چہرے پر نک جاتی ہیں۔ لیکن اس کا چہرہ آپ سے کچھ نہیں کہتا، اس نے آپ کی نظریں دو میں سے ایک سمت کی طرف بھکلتی ہیں۔ یا تو آپ

کی نظریں اس ہاتھ پر نک جاتی ہیں جس نے خط کپڑا ہوا ہے یا اس بے جان ہاتھ پر چلی جاتی ہیں جو شب کے باہر لٹکا ہوا ہے۔ موت کے بعد بھی مرات نے ہاتھ میں خط اور قلم کپڑا رکھا ہے۔ مرات کو اس عورت نے قتل کیا جس نے اسے خط لکھا تھا۔ اور اس وقت قتل کیا جب وہ اس خط کا جواب لکھ رہا تھا۔ مرتے وقت مرات نے جو قلم ہاتھ میں لیا ہوا ہے وہ منظر کے سکون اور ٹھہر اور میں تنا و اور تنخ پیدا کرتا ہے۔ ہم سب کو ڈیوڈ کی ہم سری کرنا چاہیے۔ ایک آرٹ کے جوش و جذبے کو پیننگ میں جوش و جذبہ پیدا نہیں کرنا چاہئے۔ کسی بھی آرٹ کی سب سے بڑی خوبی اس کا بے لوث اور سرد مہر ہونا ہے۔

مرات کی قاتل شارلٹ کارڈے گلوٹین پر اپنی زندگی ہار بیٹھی۔ ٹریان داں جماعت (فرانسیسی انقلاب کے زمانے کی اعتدال پسند انقلابی جماعت) کی نوجوان کارکن کارڈے نے تھیہ کیا تھا کہ مرات کو ختم کرنا ہے۔ وہ 13 جولائی 1793 کی تاریخ تھی۔ اس وقت اس عورت کی عمر 25 سال تھی۔ واقعہ کے فوراً بعد اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور چار دن بعد 17 جولائی کو اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

مرات کی موت کے بعد رابز پئیر والا قتل و غارت کا دور شروع ہو گیا۔ جیکوبن انقلابیوں کے جمالیاتی تقاضے ڈیوڈ جانتا تھا۔ کوئی بھی انقلاب قتل و غارت کے ایندھن کے بغیر پنپ نہیں سکتا۔ پھر ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب یہ رشتہ پلٹ جاتا ہے۔ اور انقلاب مخفی دہشت گردی کی غرض سے ہی آگے بڑھتا ہے۔ جو آدمی دہشت گردی تحقیق کرتا ہے اسے آرٹ کی طرح بے لوث اور ٹھہرے مزاج کا ہونا چاہئے۔ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ وہ دہشت گردی سے جو تو انائی پیدا کر رہا ہے وہ خود اسے بھی بھسم کر دے گی۔ رابز پئیر بھی گلوٹین پر ہی مر۔

میں اپنی آرٹ کی کتاب بند کر دیتا ہوں۔ میں جس دن کام کرتا ہوں اس دن خوب اچھی طرح نہ تاحدھوتا ہوں۔ نہانے کے بعد میں بڑے اہتمام کے ساتھ شیو بناتا ہوں اور رلا بئری چلا جاتا ہوں، جہاں میں اپنے مریض تلاش کرتا ہوں۔ اور آئندہ اپنے کام آنے والے مواد کی چھان بین کرتا ہوں۔ یہ بہت ہی سست اور بیزار کن کام ہے۔ مگر میں کرتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی تو مہینوں ایک بھی مریض نہیں ملتا۔ لیکن اگر ایک بھی مریض آجائے تو میرا چھ مہینے کا گزارا ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں پریشان نہیں ہوتا اور گھنٹوں ریسرچ کے کام میں لگا

رہتا ہوں۔

میں لاہوری میں عام طور پر تاریخ کی کتابیں یا سیاحت کی گائیڈ بکس پڑھتا ہوں۔ ایک اکیلا شہر لاکھوں انسانوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کی سینکڑوں سال کی تاریخ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں ان کے باہمی میل جوں اور رشتہوں کے شواہد اور آثار موجود ہوتے ہیں۔ سیاحتی گائیڈوں میں یہ تمام باتیں چند سطروں میں بھر دی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر پیرس کا تعارف اس طرح شروع ہوتا ہے۔

پیرس صرف سیکیولر شہر ہی نہیں ہے بلکہ وہ مذہبی، سیاسی اور آرٹسٹک آزادی کا متبرک مقام بھی ہے۔ یہ آزادی باری باری اپنا پھریرا لہرا تی ہے اور اندر ہی اندر مزید آزادی کے لئے ترپتی رہتی ہے۔ اپنی رواداری اور برداشت کی شہرت کی وجہ سے یہ شہر را بیز پیغیر، کیوری، والنڈ، سارتر، پکاسو، ہو چی منہ اور خیمنی جیسے مفکروں، فن کاروں اور انقلابیوں نیز دیگر غیر معمولی شخصیات کی پناہ گاہ رہا ہے۔ پیرس انیسویں صدی کی شہری منصوبہ بندی کی بہترین مثال ہے۔ اور اس کی موسیقی، اس کے آرٹ اور تحسین کی طرح اس کافن تعمیر بھی قرون وسطی سے اوان گاردن تک بلکہ اس سے بھی آگے تک کے ادوار کا احاطہ کرتا ہے۔ اپنی تاریخ، اپنی ایجادوں، اپنے کلچر اور اپنی تہذیب کی بنا پر پیرس دنیا بھر کی ایک لازمی ضرورت ہے۔ اگر پیرس نہ ہوتا تو ہمیں اسے ایجاد کرنا پڑتا۔

پیرس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہنا تھیں حاصل ہے۔ یہی اختصار اور یہی دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے جس کی وجہ سے میں تاریخ کی کتابیں اور سیاحتی گائیڈ بکس شوق سے پڑھتا ہوں۔ وہ لوگ جو یہ نہیں جانتے کہ اختصار کیسے کیا جائے ان میں عزت نفس نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو لوگ اپنی اوپر کھا بڑے زندگی کھینچے چلے جاتے ہیں ان میں بھی عزت نفس نہیں ہوتی۔ وہ سادگی اور غیر ضروری چیزوں کی کاث چھانٹ کا حسن نہیں جانتے اور زندگی کے اصل معنی سمجھے بغیر ہی مر جاتے ہیں۔

کام مکمل کرنے کے بعد جب مجھے معاوضہ مل جاتا ہے تو میں سفر پر نکل جاتا ہوں۔ اس بار میں پیرس جاؤں گا۔ سیاحتی کتاب کی یہ چند سطروں ہی میرا تجسس بڑھانے کو کافی ہیں۔ میں اپنے دن ہنری ملر، یا آسکر والنڈ کی کتابیں پڑھنے یا لور میوزیم کے داخلی دروازے کا خاکہ بنانے میں بتاوں گا۔ جو شخص سفر میں سیاحتی گائیڈز پڑھتا ہے وہ بور آدمی

ہوتا ہے۔ میں سفر میں ہوتا ہوں تو ناول پڑھتا ہوں۔ لیکن میں سیوول میں ناول نہیں پڑھتا۔ ناول زندگی کے بچے کچھ وقت کی خواراک ہے، درمیانی وقفہ، انتظار کا لمحہ۔

لائریری میں پہلے میں رسالوں کی ورق گردانی کرتا ہوں۔ ان میں کچھے ہوئے تمام مضامین میں سے انٹر ویو مجھے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ اگر میری قسم اچھی ہوتی ہے تو مجھے ان میں اپنے مریض مل جاتے ہیں۔ اوسط درجے کا شعور اور عامیانہ حیث رکھنے والے روپورٹ میرے مکمل مریضوں کی خصوصیت میں السطور کہیں چھپا دیتے ہیں۔ وہ کبھی ان سے ایسا سوال نہیں کرتے ”کیا کبھی آپ کے دل میں کسی کوقل کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی ہے؟“ اور ظاہر ہے انہوں نے کبھی یہ بھی نہیں پوچھا ”اس وقت آپ کو کیسا محسوس ہوتا ہے جب آپ خون دیکھتے ہیں؟“ وہ جس سے انٹر ویو کرتے ہیں اسے ڈیوڈ یا دیلا کروا کی پینٹنگ نہیں دکھاتے اور ان کے افکار معلوم نہیں کرتے۔ اس کے بجائے ان کا انٹر ویو بے معنی بالتوں سے بھرا ہوتا ہے۔ مگر وہ مجھے یقوف نہیں بناتے۔ میں ان کے خالی خولی الفاظ میں اپنے لئے امکانات کی جھلک دیکھ لیتا ہوں۔ جس طرح کی موسیقی وہ پسند کرتے ہیں، اپنی خاندانی تاریخ کے بارے میں وہ بعض اوقات جوانشافت کرتے ہیں، جس قسم کی کتابیں انہیں متاثر کرتی ہیں اور کون سے آرٹسٹ انہیں پسند آتے ہیں، ان سب سے مجھے ان کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ لوگ غیر شعوری طور پر اپنی اندر و فی آرزوئیں اور انگلیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ وہ مجھے جیسے لوگوں کے انتظار میں ہوتے ہیں۔

مثلاً ایک بار ایک خاتون مریض نے مجھے بتایا کہ اسے فان گوگ پسند ہے۔ میں نے اس سے پوچھا آپ کو اس کے لینڈ اسکیپ اچھے لگتے ہیں یا سیلف پورٹریٹ؟۔ اس پر وہ تھوڑا سا جھپٹکی پھر بولی کہ مجھے لینڈ اسکیپ پسند ہیں۔ جو لوگ سیلف پورٹریٹ میں کھو جاتے ہیں میں ہمیشہ انہیں غور سے دیکھتا ہوں۔ یہ لوگ بھکی ہوئی روح ہوتے ہیں، وہ اپنے باطن میں جھائختے کی طرف راغب ہوتے ہیں، اور وہ واقعی اپنے آپ سے گھٹم گھٹا رہتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ باطن بینی اگرچہ دردناک ہوتی ہے مگر پر اسرار طور پر خوش کن بھی ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی مجھ سے وہ سوال کر لے جو میں کر سکتا ہوں تو میں جان لوں گا کہ وہ شخص تہائی کا مارا ہوا ہے۔ لیکن تمام تہائی پسند لوگ مناسب مریض نہیں ہوتے۔

رسالوں کی ورق گردانی کرنے کے بعد میں نے اخبار دیکھے۔ میں نے موت کی خبروں

سے لے کر ضرورت ہے کہ اشتہاروں تک سب کچھ توجہ کے ساتھ پڑھ ڈالا۔ خاص طور سے وہ اشتہار بھی پڑھے جن میں خاص ہنر اور الہیت والے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے تجارتی صفحے بھی پڑھے۔ میں نے ان مضامین پر زیادہ توجہ دی جن میں ان کمپنیوں کا ذکر تھا جو پہلے تو بہت کامیاب اور خوش حال تھیں مگر اب دیوالیہ ہونے والی تھیں۔ میں نے اشاك مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ بھی لیا۔ کیونکہ سب سے پہلے اشاك مارکیٹ ہی سماجی تبدیلی کی نشان دہی کرتی ہے۔ ٹکڑے کے حصے میں، میں نے آرٹ اور پاپلر موسيقی کے نئے رجحانات کا اندازہ لگایا۔ ہاں، نئی کتابیں بھی میری توجہ کا مرکز تھیں۔ یہ مضامین پڑھنے سے مجھے اپنے مملکہ مریضوں کا تازہ ترین ذوق سخنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی پسندیدہ موسيقی، ان کے پسندیدہ آرٹ اور کتابوں کے بارے میں مجھے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان سے ان کے ساتھ بات چیت کرنے میں میرے لئے آسانی ہو جاتی ہے۔

بھی کبھی لا سبریری سے نکلنے کے بعد میں انسانوں گلریز میں ٹھہر جاتا ہوں۔ وہاں میں آرٹ کی کتابیں دیکھتا ہوں۔ یا پھر سی ڈائیگری میوزک شاپس میں چلا جاتا ہوں۔ اگر قسمت اچھی ہوتی ہے تو مجھے گلری میں گھومتا ہوا کوئی مریض مل جاتا ہے۔ میں وہ لوگ تلاش کرتا ہوں جو کسی فن پارے میں کھوئے ہوئے ہوں۔ وہ لوگ جنہوں نے کبھی سینچر کی سہ پہر کو بھی اپنی گھری پر نظر نہیں ڈالی، وہ آرٹ کے فن پارے میں ڈوبے ہوئے ملتے ہیں۔ انہیں اور کہیں نہیں جانا ہوتا، اور نہ کوئی ان کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ اور وہ پینٹنگز جوانہیں مہوت کر دیتی ہیں، اور جوانہیں دیریکٹ ایک ہی جگہ کھڑے رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں، وہ غیر ارادی طور پر پینٹنگز ان دیکھنے والوں کی دلی آرزو میں آشکارا کرتی ہیں۔

شام کو میں شہر کے وسط میں ایک پرانی دھرانی عمارت میں موجود اپنے دفتر جاتا ہوں۔ میرے پاس اس دفتر میں صرف ایک ٹیلی فون ہے، ایک میز ہے اور کمپیوٹر ہے۔ یہاں میں کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔ میں دفتر کے مالک سے بھی کبھی نہیں ملتا، کیونکہ میں آن لائن کرایہ ادا کرتا ہوں۔ دفتر پہنچنے کے بعد میں آنسرینگ مشین بند کر دیتا ہوں اور فون کی گھنٹی بجنے کا انتظار کرتا ہوں۔ رات کے ایک بجے تک میں کے قریب فون کاں سنتا ہوں۔ لوگ اخبار میں میرا یہ اشتہار پڑھ کر فون کرتے ہیں کہ ”ہم آپ کے مسائل سنتے ہیں“۔ یہ سادہ سا جملہ پڑھ کر وہ فون کرنے کے لئے رات پہنچنے کا انتظار کرتے ہیں۔ میں پہنچ تک ان لوگوں سے

بات کرتا ہوں جن کے طرح طرح کے مسئلے ہوتے ہیں۔ جیسے وہ لڑکی جس کا باپ اس کی عصمت دری کرتا ہے، ایک بیجڑہ جسے زبردستی فوج میں بھرتی کیا جا رہا ہے، ایک عورت جو اپنے بواۓ فرینڈ سے بے وفا کر رہی ہے، ایک بیوی جسے اس کے شوہرنے مارا ہے۔ میں ایسے قصے سنتا ہوں جو دن کے وقت لاہوری، کتابوں کی دکانوں یا انسا دوگنگ گلبریز میں مجھے نہیں ملتے۔ اس طرح مجھے اپنے اکثر مریض مل جاتے ہیں۔

چند منٹ کے بعد ہی میں کسی بھی شخص کی تعلیم کا معیار، اس کی پسند و ناپسند اور اس کے معاشی حالات کا اندازہ لگاسکتا ہوں۔ اس قسم کی معلومات سے میں مکنہ مریض تلاش کر لیتا ہوں۔ میرے اندر مریض دریافت کرنے کی جو قوت ہے وہ مجھے بہت عزیز ہے۔

لیکن اس میں کچھ خرابیاں بھی ہیں۔ یہ حقیقت کہ فون کرنے والوں میں ابھی اتنی قوت ارادی موجود ہے کہ وہ اپنے مسائل پر کسی سے بات چیت کر سکتے ہیں، ثابت کرتی ہے کہ وہ ابھی اتنے مایوس نہیں ہوئے کہ انہیں میری خدمات کی ضرورت پیش آجائے۔ چنانچہ ان عام پیشہ ور مشورہ دینے والوں کے مقابلے میں جو لوگوں کے مسائل سننے کے بعد ان مسائل کا حل نہیں بتاتے، میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ میں اس وقت تک ان کی باتیں سنتا ہوں جب تک میں انہیں بخوبی جان نہیں لیتا۔ اس کے بعد میں اپنے مشوروں کے ذریعے ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ اس لڑکی کی باتیں سننے پلے جانے کا کوئی فائدہ نہیں جس کا باپ ہر رات اس کی عصمت دری کرتا ہے اور اسے مارتا پیٹتا ہے۔ میں اس لڑکی سے، جو سترہ سال کی ہو چکی ہے، صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ گھر سے بھاگ جائے۔ معمولی پیشہ ور مشورہ دینے والے اس سے کہتے ہیں کہ وہ ڈٹی رہے، سوش ادaroں یا پولیس کو اطلاع کرے۔ یہ پیشہ ور مشورہ دینے والے مسئلے کی روح اور اس کے سہل حل کی مابہیت کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہاں ایسا نہیں ہے کہ لڑکی خود نہ جانتی ہو کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اگر فون کرنے والی میرے اشتعال دلانے پر ثابت رعل کا اظہار کرتی ہے تو میں اس سے بات چیت جاری رکھتا ہوں۔ وہ لڑکی تسلی محسوس کرتی ہے اور اس کے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ اب مناسب وقت آگیا ہے تو بچ میں کو دپڑتا ہوں۔ ”اگر وہ ایسا ہی باپ ہے تو اسے مار کیوں نہیں ڈلتیں؟“۔ اگر وہ اس پر چونکتی ہے تو میں کہتا ہوں ”اوہ، میں تو مذاق کر رہا تھا“۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے میرے طریقہ کار سے دچکی ہے۔ مگر میں قتل

کرنے کے لئے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ اس طرح کی اشتعال انگیز باتوں کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں کا صفائی کر دیا جائے جن کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ ایک آدمی دوسرا آدمی کو قتل کر دے۔ میں تو وہ بیمار خواہشات باہر نکانا چاہتا ہوں جو لاشور کی گہرائیوں میں مقید ہیں۔ یعنی بھوک ایک بار جب آزاد ہو جاتی ہے تو پھلنا پھولنا شروع کر دیتی ہے۔ فون کرنے والی کا تخلیل پرواز کرنے لگتا ہے اور جلد ہی اس پر اپنی مخفی قوت مکشف ہو جاتی ہے۔

اگر میں سمجھتا ہوں کہ کسی شخص میں کچھ امکانات ہیں تو میں اس سے ملتا ہوں۔ اپنے دفتر میں نہیں۔ کبھی تو ہم کسی بار میں چلے جاتے ہیں، یا پھر کوئی نمائش یا فلم دیکھنے چلے جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی بہت ہی اہم ملیٹھ ہوا تو ہم سفر پر نکل جاتے ہیں۔ اہم شخص سے میری مراد ایسا آدمی نہیں ہے جو بہت زیادہ رقم دیتا ہو بلکہ ایسا آدمی ہے جو میری تخلیقی قوت کو ابھارتا ہو۔ ایسا انسان ملنا بہت مشکل ہے مگر جب مل جاتا ہے تو میری خوشی کا ٹھکانا نہیں ہوتا۔ لیکن میں یہ بات اس کے سامنے ظاہر نہیں کرتا۔ یہ لوگ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ نہ میرا نام، نہ میرا شہر، نہ میرا اسکول، حتیٰ کہ میرے مشاغل اور میری دلچسپیوں کے بارے میں بھی انہیں کچھ پڑتے نہیں ہوتا۔ میں مسلسل باتیں کرتا رہتا ہوں تاکہ میرے مشاغل اور میرے ذوق کا کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ وہ جانے بوجھے بغیر ہی اپنا سر ہلاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ میں ان کی ان توقعات کو طرح دے جاتا ہوں کہ میں کون ہوں لیکن یہ تو ہونا ہی ہے کیونکہ خدا کے بارے میں واقعی کون جانتا ہے۔

میں اس وقت تک باتیں کرتا رہتا ہوں جب تک وہ شخص جانے نہیں لگتا۔ مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ میں اس شخص کی گھریلو زندگی اور اس کے متعلق جان جاؤں، اور یہ معلوم کر لوں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھتا ہے اور کون سے آرٹس اور کسی موسیقی اسے پسند ہے۔ اکثر لوگ کسی جھجک کے بغیر اپنے قصے سنادیتے ہیں۔ کچی بات بتاتے ہیں تو یقیناً وہ دیانت داری سے کام لے رہے ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو تمام باتیں سنانے کے بعد مجھے چھوڑ جانا چاہتے ہیں۔ انہیں میں ان کی رقم واپس کر دیتا ہوں سوائے سیکیورٹی کے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ دوبارہ آ جاتے ہیں۔ جب وہ دوبارہ آتے ہیں تو کسی گفت و شنید کے

بغیر معاهدے کی پابندی کرتے ہیں۔

میں اپنا کام مکمل کر لیتا ہوں تو سفر پر نکل جاتا ہوں۔ وہاں سے واپس آتا ہوں تو اپنے مریض کے بارے میں اور اس کے ساتھ جو وقت گزارا ہے اس کے بارے میں لکھتا ہوں۔ اس تخلیقی عمل کے ذریعے میں خدا بننے کی کوشش کرتا ہوں۔ خدا بننے کے واطریقے ہیں: تخلیق کرنا یا مارڈانا۔

تمام معاهدے قصہ کہانی نہیں بنتے۔ صرف وہ مریض جو کسی قابل ہوتے ہیں صرف انہیں میرے الفاظ سے نئی زندگی ملتی ہے۔ میرے کام کا یہ حصہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ تھکادیئے والا عمل اپنے مریضوں کے ساتھ میری ہمدردی اور محبت کا ثبوت ہوتا ہے۔

شیکسپیر نے کہا تھا ”تو کیا یہ گناہ ہے ا موت کے خفیہ گھر میں انداھا و ہند داخل ہونا، اس سے پہلے کہ موت ہمارے پاس آنے کی جرأت کرے؟“ اس عظیم ڈرامہ نگار کے سینکڑوں برس بعد سلویا پلاتھ نے اس بات کو اور آگے بڑھایا۔ ”خون کی دھار شاعری ہے، اس کا کوئی انت نہیں ہے۔“ جس عورت نے یہ مصرع لکھے تھے اس نے چوہبہ کی گیس کا پائپ کھول کر اپنی زندگی ختم کر لی تھی۔

میرے مریضوں میں سلویا پلاتھ والی تخلیقی صلاحیت تو نہیں ہوتی مگر وہ اپنی زندگی اتنی ہی خوبصورتی سے ختم کرتے ہیں جیسے سلویا پلاتھ نے کی تھی۔ میں نے اپنے مریضوں کے جو قصے لکھے ہیں ان کی تعداد دس سے زیادہ ہو گئی ہے۔ میں انہیں آہستہ آہستہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کسی پیشگی رقم یا رائٹلی کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس زندگی گزارنے کے لئے بہت پیسے ہیں۔ اور پھر یہ میرے مریضوں کے ساتھ انصاف بھی نہیں ہو گا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں یہ تحریریں ایک لفافے میں ڈالوں اور کسی شرط یا مطالبے کے بغیر کسی ناش کو بیچ جوں۔ پھر میں چھپ جاؤں گا، غیر مرمنی ہو جاؤں گا اور اپنی تخلیقات کو نیا جنم لیتے دیکھوں گا۔

میں کمپیوٹر کے پاس جاتا ہوں اور وہ فائلیں کھولنا شروع کرتا ہوں جو پاس ورڈ کے ذریعے محفوظ ہیں۔ پہلی فائل ایک نوجوان عورت کی کہانی کہتی ہے جس نے دو جاڑوں پہلے میری خدمات حاصل کی تھیں۔

دوسرਾ حصہ

جو ڈتھ

مسحور ہوئے کا کرب اکثر
 مجھے چڑیا کا ہلکا چھلکا بدن یاد دلا دیتا ہے۔
 میری رقبابت ہوا سے بھی ہلکی ہے۔
 میں غائب ہو جانا چاہتا ہوں
 کیونکہ میں محبت کرتا ہوں۔

”چڑیا کا گھونسلہ دیکھتے ہوئے“، یہا